ایمان و عمل کا باہمی تعلق

مرتب : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

ایمان اور عمل کا باہمی تعلق کیا ہے؟ کیا ایمان و عمل کے درمیان لازم و ملزوم کا رشتہ ہے؟ آیا عمل ایمان کا جزو ہے یا اضافی چیز ہے؟ آیا گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انسان صرف ایمان سے نکلتا ہے یا ایمان و اسلام دونوں سے نکل کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے؟ آیا گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انسان کے ایمان و اسلام پر کوئی اثر نہیں پڑتا یا کم و بیش کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے؟ ان سوالات کا جواب ہم بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ تفصیل مزید کے لئے آٹھ مسلکوں کے موقف اور دلائل کو دوبارہ دیکھ لیں۔

© rasailojaraid.co

ایک اصولی قاعدہ

قرآن حکیم کا شروع سے آخر تک اہتمام سے بغور مطالعہ کرلیں تو شاذ (۱) ہی کوئی مقام نظر آئے گا کہ جہاں ایمان کے ساتھ عمل صالح (۲) کا تذکرہ نہ ہو۔ اکثر و بیشتر "اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ سورۃ العصر غالباً سب سے چھوٹی سورۃ ہے، اس میں بھی نہ صرف ایمان کے بعد عمل صالح کا ذکر ہے بلکہ اس کی مزید دو شاخوں کا بھی تذکرہ ہے۔ در حقیقت "تواصی بالحق و تواصی بالصبر" عمل صالح ہی کی دو شاخیں ہیں۔

عربی زبان میں "واو" کے مختلف استعمالات ہیں، کہیں "واو" عطف کے لئے استعمال ہوتی ہے اور کہیں تفسیر و بیان کے لئے لائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی "واو"

---

(۱) استثناءات تو ضرور موجود ہیں اور جہاں بھی استثناء ہے اس کے لئے کوئی نہ کوئی قرینہ بھی موجود ہے۔ (ماخوذ)

(۲) قرآن حکیم میں ایمان کے ساتھ اجمالاً یا تفصیلاً عمل صالح کا ذکر ۸۷ بار آیا ہے۔ (اضافہ از مرتب ابو عبدالرحمٰن)

© rasailojaraid.co

کے متعدد استعمال ہیں۔ "اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" میں "واو" کو اگر عطف کے لئے مان لیا جائے تو مغائرت کے معنی دے گی یعنی ایمان اور چیز ہے اور عمل دوسری چیز۔ اور یہ دو علیحدہ حقائق (entities) ہیں لیکن اگر "واو" کو تفسیری قرار دے دیا جائے ("واو" کے مابعد والی عبارت ماقبل کی تفسیر بیان کر رہی ہے) تو پھر ان دونوں میں باہمی تلازم ثابت ہو جائے گا' جیسا کہ علامہ شبیر احمد بخاری صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا تھا کہ علامہ فارابی اور دورِ حاضر کے مفکرین میں سے سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ :

"ایمان و عمل صالح کا باہمی تعلق یوں سمجھ لیں کہ ایک ایمان غیر مرئی ہے جو دل میں ہوتا ہے اور کسی کو نظر نہیں آتا اور ایک ایمان مرئی ہوتا ہے جو اعمال و کردار کی شکل میں نظر آتا ہے ـــــ اور وہ ہے عمل صالح"۔

یہ تعبیر کا ایک انداز ہے۔ ایمان اور عمل صالح کے حوالے سے جو آٹھ مسلک بیان ہوئے تھے' ان کا خلاصہ ایک نظر دیکھ لیں تاکہ اگلی بات سمجھنی آسان ہو جائے :

خوارج : گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان و اسلام دونوں سے خارج ہو کر کافر ہو گیا' للذا مرتد' واجب القتل' مباح الدم اور مباح المال ہے۔

معتزلہ : ایمان و اسلام سے خارج' البتہ کفر میں داخل نہیں ہوا' للذا نہ مرتد' نہ واجب القتل اور نہ ہی مباح المال ہے۔

اہل تشیع : گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج' البتہ مسلمان یا منافق۔(۳)

محدثین : یعنی امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل' امام بخاری اور عموم محدثین (رحمہم اللہ) کا موقف یہ ہے کہ عمل ایمان کا جزو لازم ہے' البتہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے

---

(۳) اہل تشیع نے ایک زیادتی اور کی ہے کہ یہ فیصلے اسی دنیا میں کرنے شروع کر دیئے کہ فلاں مومن ہے' فلاں مسلمان ہے اور فلاں منافق ہے' حالانکہ ایمان اور نفاق کا صحیح فیصلہ تو قیامت کے روز ہی ہو سکتا ہے' اس دنیا میں ممکن ہی نہیں۔ اس سے بڑی جسارت انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کی ہے کہ چند ایک کو مومن قرار دے کر باقی غالب اکثریت کو یا مسلمان مانا یا پھر منافق قرار دے دیا ہے ـــــ والعیاذ باللہ ـــــ (ماخوذ)

© rasailojaraid.com

انسان اسلام سے خارج نہیں ہوتا[۴] بلکہ کیفیت ایمان میں کمی آجاتی ہے۔

احناف: سید الفقہاء امام ابو حنیفہ و دیگر ائمہ احناف (رحمۃ اللہ علیہم) کے نزدیک عمل ایمان کا جزو نہیں ہے بلکہ یہ ایک علیحدہ حقیقت (entity) ہے۔ اور اس دنیا میں ایمان کا پیمانہ دعویٰ تصدیق اور اقرار باللسان ہوگا۔

اشاعرہ: ان کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے، اقرار بھی شرط نہیں، صرف اجراء احکام کے لئے "اقرار باللسان" ایک قانونی ضرورت ہے۔

مرجئہ: صرف اعتقاد کافی ہے اور مجرد اعتقاد ہی "نجات من النار" کا ضامن ہے۔

کرامیہ: اگر صرف زبانی کلمۂ توحید کا اقرار کرلیا تو بھی نجات کے لئے کافی ہے، دل میں تصدیق نام کی کوئی شے ہے ہی نہیں لہٰذا اس سے کوئی بحث نہیں اور عمل بھی کسی درجے میں شرط نہیں۔

ہمارے معاشرے میں بے عملی وبد عملی کی بنیادی وجہ

ہمارے ہاں علماء کرام، فقہاء عظام اور مفتیان دین پر جب فقیہانہ اور مفتیانہ انداز غالب آجاتا ہے تو قرآن حکیم اور احادیث رسول اللہ ﷺ میں جہاں جہاں انذار و ترہیب کا بیان آیا ہے جن میں بے عملی یا بد عملی کی وجہ سے ایمان کی نفی وارد ہوئی ہے یا جن مقامات پر "خلود فی النار" (آگ میں ہمیشہ رہنا) کی وعید آئی ہے، ان کی توجیہہ یا تشریح کرتے ہوئے ایسی ایسی شرطیں عائد کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں ترہیب وانذار کا اثر بالکل ختم ہو جاتا ہے، بلکہ پڑھنے والا بے عملی وبد عملی میں مزید جری و بے باک ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام کی عظیم اکثریت عملاً کرامیہ کے موقف پر کھڑی ہے کہ چونکہ ہم نے لا الٰہ اِلا اللہ زبان سے پڑھ لیا ہے اور کلمۂ توحید کا اقرار نجات کے لئے بہت کافی ہے اور حدیث مبارک کے یہ آسان سے الفاظ سب کو ازبر ہیں "مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلاَّ

---

(۴) نماز کو چونکہ ایک خصوصی مقام حاصل ہے لہٰذا محدثین کی اکثریت کے نزدیک تارک نماز کافر ہے، دیگر گناہوں سے کفر لازم نہیں آتا، ملاحظہ ہو "نماز کی اہمیت" تالیف فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین [illegible] (اضافہ از مرتب)

© rasailojaraid.com

اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ"۔ (۵) لہٰذا عمل کی ضرورت نہیں۔ اس پر اضافی رنگ "تصورِ شفاعت" نے چڑھایا ہے کہ کچھ بھی ہیں لیکن ترے محبوب کی امت میں ہیں! لہٰذا شفاعتِ محمدیؐ سے بیڑا پار ہو ہی جائے گا۔

ان دو عقیدوں میں غلو کا نتیجہ ہے کہ امت بے عمل بلکہ بد عمل ہو کر رہ گئی۔ اس طرح ہمارے ہاں کے عوام کی عظیم اکثریت عملاً کرامیہ کے موقف پر پہنچ گئی ہے کہ بس لا الٰہ اِلا اللہ پڑھ لیا اور باقی سارے دین سے آزادی۔ نہ فرائض و واجبات کی خبر ہے اور نہ حرام کی پروا۔ اس مقام سے جو لوگ ذرا آگے قدم بڑھاتے ہیں وہ بھی مرجیہؔ کے موقف پر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ بس اعتقاد کی حد تک تو ہر چیز مانتے ہیں لیکن عمل میں وہ بھی کورے ہی رہ جاتے ہیں۔ اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے صحیح موقف کو عوام کے سامنے پیش کریں، اس کے لوازمات و متضمنات و مضمرات کو سامنے لائیں تاکہ عوام صحیح العقیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ دینی احکام و اقدار کی پابندی کرنے والے بھی بن جائیں۔ ورنہ اگر صرف فقیہانہ و مفتیانہ انداز سے دین کو پیش کیا گیا تو انذار و ترہیب سے متعلق ساری وعیدیں بے معنی اور بے وزن ہو کر رہ جائیں گی۔

سورۃ النساء آیت ۹۳ میں، جو وعید شدید پر مشتمل آیت ہے، اس ضمن میں تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے۔ البتہ یہ بات تکرار کی مستحق ہے کہ اس آیت میں ترہیب و انذار کے پانچ اسلوب بیان کئے گئے ہیں جن سے آدمی لرز اٹھے گا۔ لیکن جب اس کی ترجمانی کرتے ہوئے اس کے اندر ایسے الفاظ ذکر کئے جائیں جو کہ خالصتاً مفتیانہ ضرورت ہوا کرتے ہیں تو آیت کا سارا اثر ختم ہو کر رہ جائے گا، پڑھنے والے پر نہ کوئی اثر ہو گا اور نہ وہ کیفیت طاری ہو گی جسے قرآن یوں بیان کرتا ہے:

﴿ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ ﴾

(النازعات: ۴۰)

"اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری

---

(۵) کشف الاستار ۱/۱۱ح ۷ و مسند احمد ۵/۲۳۶ علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ح نمبر ۲۳۵۵۔ "جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا جنت میں داخل ہو گیا"۔

© rasailojaraid.com

خواہشات سے باز رکھا تھا"

اس کے برعکس رجاء و امید کا پہلو غالب ہو جائے گا اور یہی بے عملی بلکہ بد عملی کی بنیاد ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے قرآن حکیم کے ایک اور مقام پر غور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗــــَٔــتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○﴾ (البقرۃ: ۸۰-۸۱)

"اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں آگ چھو ہی نہیں سکتی مگر گنتی کے چند دن۔ اے نبی ان سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟ جس کی وہ خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کی طرف وہ بات منسوب کر رہے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں، کیوں نہیں ایسا ہو سکتا جو کوئی بھی بدی کمائے گا اور اس کا گناہ اس کا احاطہ کرے گا تو وہ دوزخی ہے اور ہمیشہ ہی وہ دوزخ میں رہے گا"۔

پہلی آیت میں یہود کے غلط نظریئے کا تذکرہ کرنے اور اس کی پُر زور تردید کرنے کے بعد دوسری آیت میں ایک اصولی قاعدہ بیان کر دیا کہ بات حسب نسب کی نہیں بلکہ اعمال و کردار کی ہے، جو کوئی ایسا کرے گا ایسے انجام سے دوچار ہو گا۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مذکورہ کو سیاق و سباق کے پس منظر میں صرف یہود سے متعلق قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اس آیت میں کفارِ یہود کا تذکرہ ہے اور الفاظ میں موجود اس کے عموم کو باقی نہیں رکھا۔ چنانچہ جب کوئی مسلمان اسے پڑھے گا تو انہیں یہودیوں سے متعلق باتیں سمجھتے ہوئے خود لرزہ براندام نہیں ہو گا۔

البتہ حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود حسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۶) نے ترجمے میں عموم

---

(۶) میری رائے میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ چودھویں صدی ہجری کے مجدد اعظم ہیں۔ اس صدی میں بہت سے لوگوں نے تجدید کی کوشش کی ہے لیکن ان سب میں عظیم ترین درجہ =

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کو برقرار رکھا ہے' البتہ حاشیے میں "گناہ کسی کا احاطہ کرلے" کی تعبیر و تشریح میں لکھا ہے کہ :

"گناہ کسی کا احاطہ کرلے' اس کا یہ مطلب ہے کہ گناہ اس پر ایسا غلبہ کرلے کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو' حتیٰ کہ دل میں ایمان و تسلیم باقی ہوگی تو بھی احاطہ مذکور محقق نہ ہوگا۔ تو اب کافر ہی پر یہ صورت صادق آسکتی ہے"۔

ذرا غور کریں کہ اس طرح کی تفسیر و تشریح پڑھنے کے بعد کون مسلمان چونکے گا؟ اس آیت میں جو تاثیر اور لرزا دینے والا انداز ہے وہ سب تاویلات میں لپیٹ کر بے اثر کردیا گیا۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ترجمے کے اندر بھی بریکٹ میں کچھ اضافے کئے ہیں جس سے اس کی نوعیت بدل جاتی ہے' لیکن حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمے میں الفاظ قرآنی کے اندر موجود عموم کو اپنی اصل حالت پر رکھا ہے۔ البتہ جو حاشیے میں رائے دی ہے کہ یہ مرحلہ حالت کفر کے اندر ہی ہو سکتا ہے ورنہ ممکن نہیں ہے۔

ایک رائے......ایک مشورہ

علیٰ وجہ البصیرۃ میری پختہ رائے یہ ہے کہ اس قسم کی آیات و احادیث کا ترجمہ لفظی مفہوم کے مطابق کردیا جائے تاکہ ان آیات و احادیث کے اندر موجود انذار اور ترہیب و وعید کی جو کیفیت ہے وہ اعصاب پر اپنے اثرات دکھائے اور پڑھنے والا کانپ اٹھے۔ امت کی اصلاح احوال کا صرف یہی ذریعہ ہے : "اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى" کی مطلوبہ و محمودہ کیفیت تب ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

فتویٰ اور قانونی زبان کی ایک اپنی اہمیت ہوتی ہے۔ لہٰذا علیحدہ ایک فتویٰ کی شکل میں وضاحت کردی جائے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ کافر ہوگیا ہے اور اسلام سے نکل کر مرتد ہوگیا ہے' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ : وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ ـــــ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ ـــــ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ ـــــ کہ یہاں مراد حقیقی ایمان کی نفی ہے جس کا فیصلہ صرف اور صرف

= حضرت شیخ الہند کو حاصل ہے۔ اس قدر عظیم قدر و احترام کے باوجود میں اس مقام پر حضرت صاحب سے اختلاف کی جسارت کر رہا ہوں۔ (ماخوذ)

© rasailojaraid.com

آخرت میں جا کر ہو گا، البتہ اس قانونی ایمان کی نفی نہیں ہے جس پر دنیا میں احکام لاگو ہوتے ہیں۔ یہ خالصتاً فتویٰ کی ضرورت ہے، اس کی وضاحت ہو جانی چاہیے۔ اس وضاحت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ "بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا" کی کیفیت پیدا ہو گی جو کہ شرعاً مطلوب و محمود ہے۔ ایک طرف دل کانپ رہا ہے، خبر نہیں کہ حقیقی ایمان کی کیفیت کیا ہے؟ پتہ نہیں اللہ کے ہاں میرا ایمان قبول ہے بھی یا نہیں؟ میں تمام ارکان ایمان کو تسلیم کرتا ہوں، اعمال کے لئے بھی مقدور بھر کوشش کر رہا ہوں، مجھے یہ بھی یقین ہے کہ کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے کوئی مومن کافر نہیں ہو جاتا، بہرحال اللہ تعالیٰ کے حضور بہتر انجام کی اُمید ہے۔ ان دو کیفیات کی وجہ سے انسان میں ایک اعتدال پیدا ہو گا اور وہ خوف و اُمید کے درمیان رہے گا۔ ایک طرف سے ڈر بھی رہا ہو گا اور دوسری طرف سے پُر امید بھی رہے گا۔

© rasailojaraid.com

شرعی اصطلاحات کی اہمیت

قرآنِ حکیم اور حدیثِ پاک میں کئی جگہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب پر ایمان کی نفی وارد ہوئی ہے، تو کیا اس سے مراد حقیقی ایمان کی نفی ہے یا ظاہری و قانونی ایمان کی نفی مراد ہے؟ اس مسئلے کے حل کی آسان اور عام فہم صورت یہ ہے کہ ایمان کے دونوں پہلوؤں کو علیحدہ علیحدہ سمجھ لیا جائے۔

☆ حقیقی، قلبی اور باطنی ایمان : جو اصل ایمان ہے، آخرت میں نجات کا دارومدار اسی پر ہو گا۔ احادیث میں اور بالخصوص حدیث جبریل میں اسی کو "الایمان" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

☆ قانونی، زبانی اور ظاہری ایمان : دنیا میں اسی ایمان کا اعتبار ہے۔ احکام کا اجراء اسی ایمان کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ حدیث جبریل میں اس کو "الاسلام" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حدیث جبریل جو کہ اُمّ السُّنّہ بھی کہلاتی ہے، مکمل الفاظ، ترجمے اور تخریج کے ساتھ گزر چکی ہے اور اس سے پہلے سورۃ النساء آیت ۱۳۶ میں ایمان ظاہری و ایمان حقیقی اور ان کے درمیان باہمی ربط و تلازم کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے۔

© rasailojaraid.com

حدیث جبریل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جبریل امین علیہ السلام مجمع عام میں انسانی شکل میں تشریف لائے۔ اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے آخری دنوں میں پیش آیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "فَاِنَّهٗ جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ"۔ دوسری روایت میں ہے : "هٰذَا جِبْرِيْلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِيْنَهُمْ"۔ ایک اور روایت میں ہے : "هٰذَا جِبْرِيْلُ اَرَادَ اَنْ تُعَلِّمُوْا اِذْ لَمْ تَسْئَلُوْا"۔(۷) اس انداز و اہتمام سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انتہائی اہم اور خاص بات تھی جو امت کو اس شان سے بتانی مقصود تھی۔ اصل میں یہ ایمان کا مسئلہ تھا جو کہ انتہائی اہم اور بنیادی مسئلہ ہے۔ اس بنیادی مسئلہ کا دوسرا اہم جزو یہ ہے کہ دنیا میں مسلمان یا مؤمن کس کو مانا اور سمجھا جائے؟ کیونکہ ظاہری اسلام کی بنیاد تو داخلی ایمان ہے اور وہ دل میں ہوتا ہے اور وہ دنیا میں جانچ پڑتال کے قابل (Verifiable) نہیں ہے' اسے ہم دیکھ نہیں سکتے' اس کے بارے میں نفیاً یا اثباتاً حکم نہیں لگا سکتے' کوئی مفتی یا قاضی اس کے بارے میں فیصلہ نہیں دے سکتا۔ اصولاً یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ فلاں فلاں کام ایمان کے منافی ہیں' اس کے بعد کون صحیح و سچا مومن ہے اور کون نہیں ہے اس کا فیصلہ اس دنیا میں نہیں ہو سکتا' یہ سارے بھید آخرت میں جا کر کھلیں گے۔ تو گویا ہم کسی کے اسلام کا فیصلہ تو کر سکتے ہیں ایمان کا نہیں' کیونکہ "اسلام" ظاہری کیفیت کا نام ہے اور "ایمان" حقیقی و باطنی کی کیفیت کا نام ہے۔ لہٰذا گفتگو' تحریر و تقریر اور فتویٰ و قانونی فیصلے میں ان اصطلاحات کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے۔

شرعی اصطلاحات کا استعمال

قرآن حکیم میں لفظ "اسلام" کا استعمال بھی اس شان اور آن بان سے ہوا ہے کہ رشک آتا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام' دونوں مل کر دعا کر رہے ہیں :

---

(۷) حدیث کے تینوں طرح کے الفاظ صحیح مسلم کتاب الایمان باب نمبرا ح نمبر ۸' ۹' ۱۰ میں وارد ہیں۔

© rasailojaraid.com

﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ﴾

(البقرة : ۱۲۸)

"اے رب ہم دونوں کو اپنا مطیع فرمان بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم (مطیع و فرمانبردار) ہو"۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا :

﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (البقرة : ۱۳۱)

"جب اس کے رب نے اس سے کہا "مسلم ہو جا" تو اس نے فوراً کہا "میں مالک کائنات کا "مسلم" ہو گیا"۔

یہاں یہ قاعدہ ذہن میں رہے کہ قرآن حکیم اور حدیث رسول ﷺ میں "ایمان" اور "اسلام" کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر آئے ہیں۔ دینی اصطلاحات کے کئی جوڑے ہیں جن کے بارے میں اہل علم نے ایک اصول وضع کیا ہے : "اِذَا اجْتَمَعَا تَفَرَّقَا وَاِذَا تَفَرَّقَا اِجْتَمَعَا" یعنی ان کا اگر علیحدہ علیحدہ تذکرہ ہو گا تو ایک ہی معنی میں لئے جائیں گے اور اگر ایک ہی جگہ پر ذکر آئے گا تو ان کے معنی میں فرق ہو گا۔ نوٹ کیجئے اسلام کی داخلی کیفیت کا نام "ایمان" ہے اور ایمان کے خارجی مظہر کا نام "اسلام" ہے۔ درحقیقت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ انگریزی محاورے کے مطابق :

Call the rose by any name it will smell as sweet

آپ گلاب کے پھول کو کوئی نام دے دیں اس کی خوشبو وہی رہے گی۔ جس شخص کے دل میں ایمان ہے، عمل میں اسلام ہے، اسے آپ مومن کہہ لیں، مسلم کہہ لیں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ البتہ اس قسم کے الفاظ جہاں ایک جگہ آ رہے ہوں اور ایک دوسرے کے تقابل میں آ رہے ہوں وہاں مفہوم معین کرنا پڑتا ہے۔ سورۃ الحجرات آیت ۱۴ اس فرق کو خوب واضح کر رہی ہے، فرمایا :

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

"یہ بدو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ اے نبی فرمادیجئے تم ایمان نہیں لائے ہو بلکہ یوں کہو ہم اسلام لے آئے ہیں (یا ہم نے اطاعت قبول کرلی ہے) ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ غفور اور رحیم ہے"۔

☆ یہ بدو کون تھے؟ —— امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر متعدد مفسرین کا قول ہے کہ ان بدوؤں سے مراد منافقین ہیں۔ کیونکہ قرآن کہہ رہا ہے کہ ان کے پاس اسلام تو ہے' البتہ دلوں میں ایمان نہیں اور یہ تو نفاق ہی کی شکل ہے۔ بظاہر یہ رائے اور دلیل خاصی مضبوط ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ نہ مومن تھے اور نہ منافق تھے بلکہ خلا میں تھے۔ یہ رائے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور ان کے شاگرد علامہ ابن کثیر نے پیش کی ہے۔ میں بھی اسی رائے کو صحیح سمجھتا ہوں (۸) اس خلا کی حقیقت سمجھنے کے لئے یوں سمجھئے کہ مسلمان کی

---

(۸) اس حوالے سے ایک واقعہ دلچسپی کا موجب ہوگا۔ ۱۹۶۲ء کا واقعہ ہے' ساہیوال کی ایک مسجد میں' میں اور مولانا عبدالغفار حسن صاحب معتکف تھے۔ صبح کے وقت سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ پر بات ہوئی۔ میں نے کہا اس آیت سے مراد منافق نہیں ہو سکتے' مولانا کے خیال میں اس سے مراد منافق ہی تھے' میں نے دلیل پیش کی کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿اِنۡ تُطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَهٗ لَا یَلِتۡکُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِکُمۡ شَیۡئًا﴾ جبکہ منافق کا کوئی عمل اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ پھر یہ کیسے منافق ہو سکتے ہیں؟ یہ ہرگز منافق نہیں تھے۔ ابھی یہ بحث و تمحیص جاری تھی کہ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مولانا عبدالجلیل صاحب امام و خطیب جامع مسجد اہل حدیث نے امام ابن تیمیہؒ کی کتاب "الایمان" ہمیں اس پیغام کے ساتھ بھجوادی کہ آپ لوگ حالت اعتکاف میں ہیں ذرا اس کو بھی دیکھ لیں۔ جونہی میں نے کتاب کھولی تو عین وہی صفحہ نکل آیا جس میں امام ابن تیمیہ نے یہ فصل قائم کی ہے : وقد اثبت اللّٰہ فی القرآن اسلاما بلا ایمان لقولہ تعالیٰ : قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ لٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا..... ۔ "اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایسا اسلام ثابت کیا ہے جس کے ساتھ ایمان نہ ہو اور مذکورۃ الصدر آیت بطور دلیل پیش کی ہے"۔ اس پر مولانا عبدالغفار صاحب نے مجھے دعائیں دیں اور فرمایا کہ تم اگر باضابطہ دینی علوم حاصل کرلو تو بہت اچھا ہے۔ تمہارے ذہن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے ساتھ بڑی مناسبت دی ہے۔ میں نے عرض کیا پڑھا دیجئے میں تیار ہوں۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

تین حالتیں ممکن ہیں۔

☆ مثبت طور پر ایمان اور اس میں درجات کا اضافہ ۱+ ، ۲+ ، ۳+ ، ۴+ اور بالآخر infinity یعنی لامحدود ہو جائے گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان Infinity کے مقام پر چلا جائے گا۔

☆ منفی طور پر ایمان اور اس میں درکات (پستی کا اضافہ) ۱- ، ۲- ، ۳- ، ۴- اور بالآخر Infinity یعنی لامحدود ہو جائے گا۔ یہ نفاق کی کیفیت ہے ، عبداللہ بن ابی کا نفاق Infinity تک چلا جائے گا۔

☆ ترقی ایمان اور پستی ایمان کے درمیان لامحالہ ایک ایسا مقام آئے گا جسے میں Zero لیول سے تعبیر کرتا ہوں۔ ریاضی میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ بس یہی Zero لیول خلا کی کیفیت ہے ، نہ مثبت طور پر ایمان موجود ہے اور نہ منفی طور پر نفاق ہے بلکہ ایک خلا ہے۔

© rasailojaraid.

فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں کی دلی کیفیت

حضورِ اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری دَور میں جبکہ اسلام کو جزیرہ نمائے عرب میں غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور پورے عرب میں ایک رو چل نکلی تھی کہ اب اسلام لے آؤ ، اب مقابلے کا کوئی فائدہ نہیں ، اب مزاحمت کی صورت میں کامیابی کی کوئی امید نہیں ، اب محمد کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور محمد (ﷺ) کا راستہ نہیں روک سکتے۔ اس لہر کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا : ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ "(اے نبی) جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور (مکہ) فتح ہو گیا اور آپ نے (لوگوں کو) دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں"۔ کہاں حضور اکرم ﷺ مکی دور میں ایک ایک فرد کے لئے جھولی پھیلا کر دعائیں مانگتے تھے : اے اللہ ! عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام (ابو جہل) میں سے کسی ایک کو میری جھولی میں ڈال دے تاکہ اسلام کو تقویت حاصل ہو۔ کہاں یہ صورت حال ہے کہ فوج در فوج اور قبیلے کے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگے ہیں۔ اُس وقت اسلام لانے والوں کی دلی کیفیت کو

© rasailojaraid.

تین حالتیں ممکن ہیں۔

☆ مثبت طور پر ایمان اور اس میں درجات کا اضافہ ا+، ۲+، ۳+، ۴+ اور بالآخر infinity یعنی لامحدود ہو جائے گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان Infinity کے مقام پر چلا جائے گا۔

☆ منفی طور پر ایمان اور اس میں درکات (پستی کا اضافہ) ۱-، ۲-، ۳-، ۴- اور بالآخر Infinity یعنی لامحدود ہو جائے گا۔ یہ نفاق کی کیفیت ہے، عبداللہ بن ابی کا نفاق Infinity تک چلا جائے گا۔

☆ ترقی ایمان اور پستی ایمان کے درمیان لامحالہ ایک ایسا مقام آئے گا جسے میں Zero لیول سے تعبیر کرتا ہوں۔ ریاضی میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ بس یہی Zero لیول خلا کی کیفیت ہے، نہ مثبت طور پر ایمان موجود ہے اور نہ منفی طور پر نفاق ہے بلکہ ایک خلا ہے۔

© rasailojaraid.

فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں کی دلی کیفیت

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری دَور میں جبکہ اسلام کو جزیرہ نمائے عرب میں غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور پورے عرب میں ایک رو چل نکلی تھی کہ اب اسلام لے آؤ، اب مقابلے کا کوئی فائدہ نہیں، اب مزاحمت کی صورت میں کامیابی کی کوئی امید نہیں، اب محمد کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا راستہ نہیں روک سکتے۔ اس لہر کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا : ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ "(اے نبی) جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور (مکہ) فتح ہو گیا اور آپ نے (لوگوں کو) دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں"۔ کہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکی دور میں ایک ایک فرد کے لئے جھولی پھیلا کر دعائیں مانگتے تھے : اے اللہ! عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں سے کسی ایک کو میری جھولی میں ڈال دے تاکہ اسلام کو تقویت حاصل ہو۔ کہاں یہ صورت حال ہے کہ فوج در فوج اور قبیلے کے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگے ہیں۔ اُس وقت اسلام لانے والوں کی دلی کیفیت کو

© rasailojaraid.

مندرجہ ذیل ممکنہ صورتوں میں رکھا جاسکتا ہے۔

☆ ان میں ایسے لوگ بھی ہوسکتے ہیں جو پہلے ہی دل میں ایمان لاچکے ہوں' لیکن قبیلے کے خوف سے ابھی تک اسلام ظاہر نہ کیا ہو۔

☆ ایسے بھی ہوسکتے ہیں جو اس وقت صدق دل سے ایمان لائے ہوں' فی الواقع ایمان ان کے دل میں داخل ہوگیا ہو۔ بہرحال سب بدو ایک جیسے نہیں تھے' اسی لئے ہم نے ترجمہ "یہ بدو کہتے ہیں" کیا ہے کیونکہ سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا ہے کہ ان میں مومنین صادقین بھی ہیں۔

☆ یہ صورت بھی ممکن ہے کہ ان اسلام لانے والوں میں ایسے لوگ بھی شامل ہوں جو کہتے ہوں کہ ٹھیک ہے اب تو اور کوئی چارہ کار نہیں ہے' اس وقت گردن جھکادو' بعد میں کسی اور طریقے سے نمٹ لیں گے۔ یعنی بظاہر اسلام کا روپ' اندر نفاق کا کھوٹ۔

☆ نہ تو مثبت طور پر ایمان موجود ہے اور نہ منفی طور پر نفاق پر مبنی بدنیتی' اور نہ ہی دھوکہ دینے کا ارادہ ہے' بلکہ زمانے کی چال کے ساتھ چل رہے ہیں۔ یہ ہے وہ خلا کی کیفیت' یعنی زیرو لیول کہ ابھی تک دل میں ایمان بھی داخل نہیں ہوا لیکن ارادے میں کوئی بدنیتی بھی نہیں ہے' اس لئے اسے نفاق بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ایک رعایت اور بشارت

سورۃ الحجرات آیت ۱۴ میں فرمایا گیا ہے کہ : "اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو گے تو وہ تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہیں کرے گا"۔

یہ جملہ ہمارے لئے بہت بڑی بشارت اور خوشخبری ہے۔ اس لئے کہ اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو ہم میں سے اکثریت کی حالت ایسی ہی ہے۔ اس وقت ایمان کی ہوا چلی تھی اور لوگ رواروی میں ایمان لے آئے۔ اب ایمان نسل در نسل وراثتاً منتقل ہو رہا ہے یہ ہمارا کوئی ارادی انتخاب (Choice) تو نہیں ہے' ہم نے اپنے فیصلے سے تو ایمان قبول نہیں کیا' بلکہ ایمان وراثتاً چلا آرہا ہے اور ہم حادثات زمانہ کے تحت اس کے دعویدار

© rasailojaraid.

© rasailojaraid.

ہیں۔ البتہ خدانخواستہ نفاق بھی دلوں میں نہیں ہے (اِلا یہ کہ کسی کے دل میں یہ مرض موجود ہو تو اور بات ہے)۔ اکثر و بیشتر لوگ منافق نہیں اور بالارادہ وہ مومن بھی نہیں ہیں۔ آیت مذکورہ پر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حال میں بھی لوگ اطاعت کرتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ اس اطاعت کو قبول فرمالیں گے۔ اس پہلو سے یہ بہت بڑی بشارت ہے۔

قانون تو یہ ہونا چاہئے کہ ایمان کے بغیر کوئی اطاعت قبول نہ ہو لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے رعایت برتی ہے اور اس آیت کو "اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" پر ختم کیا ہے۔ گویا یہ اس کی شان غفاری کا صدقہ ہے یا اس کی شان رحیمی کا مظہر ہے کہ تمہارے ساتھ یہ رعایت کی جا رہی ہے کہ اگرچہ ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اس کے باوجود اگر تم اطاعت کرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری اطاعت قبول فرمالے گا۔

© rasailojaraid

دو اصولی باتیں

یہاں دو اصولی باتیں نوٹ کرلیں۔ سب سے پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ خلا کی کیفیت (زیرو لیول والی کیفیت) یعنی نہ مثبت سمت میں ایمان اور نہ منفی سمت میں نفاق، یہ حالت مستقل نہیں رہ سکتی ؎

ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں
سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں

لہٰذا آدمی یا تو ایمان کی طرف پیش قدمی کرے گا یا نفاق کی طرف لڑھکے گا اور دونوں طرف جانے کے اپنے اپنے اسباب و عوامل ہوا کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ سورۃ الحجرات آیت ۱۴ میں جہاں عظیم خوشخبری موجود ہے اس کے ساتھ ایک انذار و وعید بھی جمع کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اطاعت سے مراد اطاعت کلی ہے 'جزوی یا اختیاری اطاعت' اطاعت شمار نہیں ہوتی بلکہ الٹا دنیا و آخرت میں قابل سزا جرم بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ

© rasailojaraid

ذٰلِكَ مِنكُمْ اِلاَّ خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (البقرة : ۸۵)

"تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں؟ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو"۔

البتہ بھول چوک' غلطی' نسیان' گناہ صغیرہ' گناہ کبیرہ یا اکبر الکبائر میں سے کسی گناہ کا کسی وقت سرزد ہو جانا اور بات ہے۔ وہ اصول زندگی نہیں ہوا کرتا بلکہ فریب نفس یا وسوسۂ شیطان کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ اس صورت میں توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝﴾

(النساء : ۱۷)

"ہاں یہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لئے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے"۔

لہٰذا غلط اصول زندگی اور اتفاقی غلطی کے درمیان واضح فرق رہنا چاہئے اور معاملات کا تجزیہ کرتے ہوئے یا مستقبل کے بارے میں غور کرتے ہوئے اس فرق کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔ کیونکہ غلط اصول زندگی ضلالت ہے اور ہر قسم کی غلطی' چھوٹا یا بڑا گناہ بشری کمزوری ہے' اور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ایمان میں کمی بیشی یا جمود؟

رئیس المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : "اَلْاِیْمَانُ قَوْلٌ وَّعَمَلٌ یَزِیْدُ بِالطَّاعَةِ وَیَنْقُصُ بِالْمَعْصِیَةِ" یعنی ایمان قول و عمل کا نام ہے جو کہ اطاعت سے بڑھتا ہے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اور گناہ کرنے سے کم ہوتا ہے۔

سید الفقہاء امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "اَلْاِیْمَانُ تَصْدِیْقٌ بِالْجَنَانِ وَاِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ" دل سے تصدیق کرنے اور زبان سے اقرار کرنے کا نام ایمان ہے' جو نہ بڑھتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی مندرجہ ذیل آیات تائید کرتی ہیں :

﴿ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ۝ ﴾

(آل عمران : ۱۷۳)

"(جن سے لوگوں نے کہا : تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہو گئی ہیں ان سے ڈرو) تو (یہ سن کر) ان کا ایمان اور بڑھ گیا' اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے"۔

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ ﴾ (الانفال : ۲)

"سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔"

﴿ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا ۝ ﴾

(الاحزاب : ۲۲)

"اور سچے مومنوں (کا حال اس وقت یہ تھا کہ) جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اُٹھے کہ "یہی وہ چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول کی بات بالکل سچی تھی"۔ اس واقعہ نے ان کے ایمان اور سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔"

﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِیْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ

© rasailojaraid.com

كَافِرُوْنَ ۝ ﴾ (التوبہ : ۱۲۴ - ۱۲۵)

"جب کوئی نئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ (مذاق کے طور پر مسلمانوں سے) پوچھتے ہیں کہ "کہو تم میں سے کس کے ایمان میں اس سے اضافہ ہوا؟" جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے ایمان میں تو فی الواقع (ہر نازل ہونے والی سورۃ نے) اضافہ ہی کیا ہے اور وہ اس سے دلشاد ہیں' البتہ جن لوگوں کے دلوں کو (نفاق) کا روگ لگا ہوا ہے ان کی سابق نجاست پر (ہر نئی سورۃ نے) ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیا۔ اور وہ مرتے دم تک کفر ہی میں مبتلا رہے۔"

مذکورہ بالا آیات میں بصراحت اضافۂ ایمان کا تذکرہ آیا ہے۔ نیز کچھ احادیث میں ایمان میں کمی کا ذکر بھی وارد ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

((إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ ذَنْبًا كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ فَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى يَعْلُوَ قَلْبَهُ فَذٰلِكَ الرَّانُ الَّذِي قَالَ جَلَّ ثَنَاءُهُ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝)) (۹)

"جب مومن کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے' اگر توبہ استغفار کر لے اور گناہ سے باز آجائے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے' لیکن اگر گناہوں میں آگے بڑھتا چلا جائے تو یہ سیاہ دھبہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے سارے دل کو کالا کر دیتا ہے اور یہی وہ "ران" (زنگ اور میل کچیل) جس کا اللہ تعالیٰ نے (سورۃ المطففین آیت ۱۴ میں) تذکرہ کیا ہے : "ہرگز نہیں بلکہ ان لوگوں کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔"

چونکہ گناہ دل پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ایمان کو کمزور کرتے ہیں اس لئے علماء نے کہا ہے "المعاصی برید الکفر" کہ گناہ کفر کی ڈاک ہے' یعنی معصیت سے کفر کے

---

(۹) مسند احمد ۲/۲۹۷ ح ۷۹۳۹ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ سنن الترمذی کتاب التفسیر باب من تفسیر سورۃ ویل للمطففین المستدرک للحاکم ۲/۵۱۷ امام حاکم' امام الذہبی' امام ترمذی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ غلط اعمال کا انسانی کردار پر اثر سمجھنے کے لئے "کبیرہ گناہوں کی حقیقت" ص ۳۵ تا ص ۹۴ کا مطالعہ از حد مفید ثابت ہو گا۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

پیغامات اور ہوائیں آنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ سلسلہ چلتا رہے گا تو پہلے ایمان کمزور ہو گا اور بالآخر ختم ہو جائے گا۔ ظاہر ہے جب ایمان نہیں رہے گا تو کفر ڈیرے ڈال لے گا۔ اور یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

البتہ سید الفقہاء [۱۰] امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایمان ـــــ بمعنی ایمان ظاہری یعنی اسلام ـــــ جامد ہے، نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے، اور اسی ایمان کے ذریعے انسان کو اسلامی معاشرے یا اسلامی ریاست میں قانونی (Legal) اور دستوری (Constitutional) مقام (Status) حاصل ہوتا ہے۔ مسلمان کی حیثیت سے معاشرے میں اس کے حقوق متعین ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں اس کے حقوق سب مسلمانوں کے لئے برابر ہیں۔ قانونی طور پر سب مسلمان برابر ہیں لہٰذا قانونی سطح پر اسلام بالکل مساوی ہے۔

مثال : بالفرض اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا کامل الایمان اور عبد اللہ بن اُبی جیسا آخری درجے کا منافق ایک ہی والد کے بیٹے ہوتے تو ان کو وراثت میں حصہ برابر ملتا، ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایمان کی وجہ سے زیادہ نہ ملتا اور عبد اللہ بن ابی کو نفاق کی وجہ سے کم نہ ملتا۔ یہ محض ایمان کا قانونی پہلو ہے، حقیقی نہیں۔ عصر حاضر کی اصطلاحات کے مطابق ہم کہہ سکتے ہیں کہ ریاست میں تمام مسلمان شہریوں کے حقوق برابر ہیں، کیونکہ فقہ کا قاعدہ ہے : "اَلْمُسْلِمُ کُفْؤٌ لِکُلِّ مُسْلِمٍ" [۱۱] ہر مسلمان دوسرے کے برابر ہے۔ تمام مسلمانوں کے

---

(۱۰) مجھ پر امام ابو حنیفہؒ کی عظمت یہاں منکشف ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں انہیں بار بار سید الفقہاء کہہ رہا ہوں اور دل کی گہرائی سے ان کی عظمت کا معترف ہوں۔ میرا یہ اذعان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قانون و دستور کا جس قدر فہم دیا تھا میرے علم کی حد تک کسی کو نہیں دیا گیا، قانون اور دستور کا ایک خاص sense ہوتا ہے جسے حاصل کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ چونکہ آپ فقیہ تھے اس لئے آپ کی نگاہ معاملات کے قانونی پہلو پر رہتی تھی۔ (ماخوذ)

(۱۱) اور اس قاعدے کی بنیاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے : المسلمون یدٌ علٰی من سواھم تکافا دمائھم [مسند احمد ۲/۱۸۰ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے ملاحظہ ہو شرح احمد شاکر ح ۶۶۹۲] "تمام مسلمان کافروں کے مقابلے میں ایک طاقت ہیں اور ان کے آپس میں خون برابر ہیں"

(اضافہ از مرتب)

© rasailojaraid.com

قانونی و دستوری حقوق (Legal and Constitutional rights) برابر ہیں۔ یعنی ایمان کا قانونی پہلو جسے ہم اسلام سے تعبیر کرتے ہیں' اس سطح پر سب مسلمان برابر ہیں۔ البتہ حقیقی ایمان جو باطن میں ہے اس کے بارے میں کون کہہ سکتا ہے کہ وہ نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے' جبکہ قرآن حکیم میں متعدد صریح آیات پکار پکار کر اس کی شہادت دے رہی ہیں۔ ہر شخص کا ذاتی تجربہ شاہد ہے کہ ایمان گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے۔ قرآن حکیم کو سوچ سمجھ کر پڑھیے' ذکر کیجئے' اہل یقین کی صحبت میں بیٹھیے' خود بخود محسوس ہو گا کہ اندر کوئی احساس ترقی کر رہا ہے۔ اس کے بالمقابل غافلوں کی محفل میں بیٹھیے' ٹھٹھے لگایئے' فحش گوئی کیجئے' حرام خوری کیجئے' خود بخود محسوس ہو گا کہ اندر سے کوئی چیز برف کی طرح پگھل پگھل کر کم ہو رہی ہے۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ ایمان کا قانونی پہلو (جو کہ اسلام کہلاتا ہے) کم و بیش نہیں ہوتا۔ اس کے بالمقابل حقیقی ایمان' جو یقین قلبی سے عبارت ہے' کم و بیش ہوتا رہتا ہے اور ہر انسان پر دن میں کئی مرتبہ یہ کمی بیشی وارد ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقی ایمان کو سامنے رکھا اور فرمایا "اَلْاِیْمَانُ قَوْلٌ وَ عَمَلٌ یَزِیْدُ وَ یَنْقُصُ" اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قانونی ایمان کو سامنے رکھا اور فرمایا: "اَلْاِیْمَانُ تَصْدِیْقٌ وَّقَوْلٌ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ" اس ظاہری تضاد اور بُعد المشرقین کے باوجود دونوں حضرات سو فیصد صحیح بات کہہ رہے ہیں۔ ایک حقیقی ایمان اور دوسرا قانونی ایمان کی بات کر رہا ہے۔ اس لئے کہ دونوں کے میدان' اصول اور نتائج جدا جدا ہیں۔

ایمان اور جہاد

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾
(الحجرات: ۱۵)

"حقیقت میں مؤمن تو صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر

© rasailojaraid.com

انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا' وہی سچے لوگ ہیں۔"

سورۃ الحجرات آیت ۱۴ میں ایمان اور اسلام کو علیحدہ کر دینے کے بعد آیت ۱۵ میں ایمان کو واضح اور معین طور پر (define) کر دیا گیا۔ ذرا غور کریں کہ ابتداء میں "اِنَّمَا" (صرف وہ آدمی جس میں مطلوبہ خوبیاں پائی جائیں) اور آخر میں "اُولٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ" (صرف یہی لوگ سچے ہیں) کا اسلوب حصر لگا کر تعریف کو جامع و مانع کر دیا گیا۔

حصر کیا ہے؟ عام زبان میں ہم کہیں گے "زید عالم ہے" اس کا معنی یہ ہوا کہ زید ضرور عالم ہے لیکن دوسرے لوگ بھی عالم ہو سکتے ہیں۔ البتہ جب ہم کہیں : "صرف زید ہی عالم ہے" تو معلوم ہوا کہ زید عالم ہے اور دوسرا کوئی عالم نہیں ہے۔ اس طرح علم کی صفت صرف زید کے لئے ثابت ہوئی اور دوسروں سے اس کی نفی ہو گئی۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ مومن تو صرف وہ ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد یہ شرائط بھی پوری کریں :

۱۔ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا (دعویٰ ایمان کے بعد کسی شک میں مبتلا نہ ہوں) یقین کی تعبیر کے لئے اس سے زیادہ خوبصورت اور کوئی لفظ ممکن نہ تھا' بلکہ اگر صرف مثبت یقین کا لفظ آتا تو یہ زور پیدا نہ ہوتا جو "ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا" کے الفاظ سے پیدا ہوا ہے۔

۲۔ وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (اور اپنے مالوں اور جانوں کو کھپا کر اللہ کی راہ میں جہاد کریں)۔

اس طرح ایمان حقیقی کے لئے دو شرطیں لازم قرار دے دی گئیں (دل میں غیر متزلزل یقین اور عمل میں مالی و جانی جہاد)۔ شروع کی طرح آخر میں پھر اسلوبِ حصر لایا گیا' فرمایا : "اُولٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ" صرف یہ شرطیں پوری کرنے والے افراد ہی اپنے دعوئ ایمان میں سچے ہیں۔

جس طرح پر کار کے دو سرے بند ہو کر ایک نقطہ پر اکٹھے ہو جاتے ہیں اسی طرح ان آیت کریمہ میں دو چیزیں اکٹھی بیان کر دی گئیں۔ جبکہ سورۃ الانفال میں پر کار کے

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

دونوں بازو کھول دیئے گئے۔ چنانچہ اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں فرمایا :

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝ ﴾ (الانفال : ۲ - ۴)

”سچے اہل ایمان تو بس وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں‘ ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں‘ خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے“۔

© rasailojaraid.com

سورۃ الانفال کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝ ﴾
(الانفال : ۷۴)

”جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں‘ ان کے لئے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے“۔

سورۃ الحجرات میں جو پر کاربند تھی اس کو جب کھولا گیا تو ایک بازو سورۃ الانفال کے شروع میں آیا اور دوسرا آخر میں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جہاد ایمان حقیقی کا رُکن لازم ہے۔ اور اسے یوں بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ جہاد ایمان کا لازمی نتیجہ ہے‘ اگر ایمان حقیقی موجود ہے تو جہاد لازماً ہو گا‘ کیونکہ سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ اسلام کی تعریف کے فوراً بعد آئی ہے اور پھر اول و آخر الفاظ حصر کو لا کر واضح کر دیا گیا ہے کہ ایمان کی جامع و مانع تعریف یہی ہے کہ دل میں غیر متزلزل یقین اور عمل میں جان و مال سے جہاد۔

© rasailojaraid.com

چونکہ ایمان حقیقی کے اثرات آخرت میں ظاہر ہوں گے لہٰذا اخروی نجات کے لئے جو بات بطور شرط اور لازمی اصول کے بیان کرنی تھی وہ سورۃ الصف کی اس آیت میں بیان کردی گئی' فرمایا :

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (الصف : ۱۰ - ۱۱)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذابِ الیم سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے' یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو"۔

ذرا غور کریں! جنت کا وعدہ یا داخلہ تو بعد کی چیز ہے پہلے عذاب سے چھٹکارا پانا ضروری ہے جس کے لئے دو لازمی شرطیں بیان کی گئی ہیں :

ا : اللہ اور اس کے رسول پر ایمان۔

ب : جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسلام عام ہے اور ایمان خاص ہے۔ اسلام کے پانچ ارکان ہیں : شہادتِ توحید و رسالت' نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج۔ اب شہادت توحید و رسالت سے پہلے یقین قلبی اور حج کے بعد جہاد کا اضافہ کرلیں تو ایمان بن جاتا ہے۔

جوش و جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر بعض لوگوں نے جہاد فی سبیل اللہ کو اسلام کا رکن قرار دے دیا ہے۔ میرے نزدیک یہ بہت بڑی غلطی بلکہ جسارت ہے' کیونکہ حدیث جبریل میں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی معروف روایت "بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ..... "الخ" میں اسلام کے پانچ ہی ارکان بیان ہوئے ہیں۔ اتنی واضح نصوص کے ہوتے ہوئے ارکان اسلام میں جہاد یا کسی اور کام کا اضافہ کرنا اپنے آپ کو حکمت نبوی ؑ سے بالاتر ثابت کرنا ہے ــــــ والعیاذ باللہ

© rasailojaraid.co

© rasailojaraid.co

جہاد کے بارے میں مغالطے اور وضاحتیں

جہاد کے بارے میں مسلمانوں کو چند در چند مغالطے لاحق ہیں۔ گویا ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کے مصداق گمراہی پر گمراہی یا کم سے کم غلطی پر غلطی کا معاملہ ضرور ہے۔

پہلا مغالطہ : پہلا مغالطہ بالعموم یہ ہے کہ جہاد کا معنی جنگ اور قتال ہے۔

وضاحت : اس مغالطے کی بنیاد ہی غلط ہے اس لئے کہ جہاد اور قتال قرآن حکیم کی دو الگ اصطلاحیں ہیں۔ اگرچہ ان کا معاملہ بھی اسلام و ایمان کی طرح ہے کہ اگر ایک بیان ہو تو دوسرے کے معنی لئے جاسکتے ہیں اور اگر دونوں اکٹھے بیان ہوں تو ان کے علیحدہ علیحدہ معنی معین کرنے پڑتے ہیں' جیسا کہ قاعدہ گزرا ہے : "اِذَا اجْتَمَعَا تَفَرَّقَا وَاِذَا تَفَرَّقَا اِجْتَمَعَا" یعنی جب وہ دونوں اکٹھے ہوں تو مفہوم علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے اور جب علیحدہ علیحدہ بیان ہوں تو معنی ایک ہی ہوتا ہے۔ البتہ جہاد کے معنی لازماً جنگ کے نہیں ہوتے۔ اسی غلطی اور مغالطے کی وجہ سے بہت ساری چیزیں ذہنوں میں الجھی ہوئی ہیں۔

دوسرا مغالطہ : جنگ تو ہر وقت نہیں ہوتی للذا ہم کس طرح ہر وقت جہاد میں شریک ہو سکتے ہیں۔

وضاحت : یہ مغالطہ بھی سابقہ مغالطے کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا ہے' ورنہ جنگ تو واقعتاً کبھی کبھی ہوتی ہے اور سلسلۂ جہاد ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

تیسرا مغالطہ : خاص حالات کے علاوہ تو جنگ فرض کفایہ ہے' للذا اگر مجاہدین کی اتنی تعداد میسر آجائے کہ مطلوبہ ضرورت پوری ہو جائے تو باقی لوگوں پر کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہتی۔

وضاحت : یہ مغالطہ بھی اس لئے پیدا ہوا کہ جنگ اور جہاد کو ایک ہی کام سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ دونوں میں وسیع و عریض فرق ہے۔

چوتھا مغالطہ : مسلمان جب بھی جنگ کرتا ہے تو وہ جہاد فی سبیل اللہ شمار ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

وضاحت : ایک مسلمان، مسلمان ہونے کے باوجود ظالم و فاسق بھی ہو سکتا ہے۔ مسلمان اپنے غلبے اور اپنے ملک کی توسیع کے لئے بھی جنگ کرلیتا ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ یہ سارے غلط کام ”جہاد فی سبیل اللہ“ شمار ہوں۔ بلکہ یہ سارے کام فساد فی الارض کے زمرے میں آتے ہیں۔ صحیح اسلامی جہاد کی وضاحت حدیث میں اس طرح بیان ہوتی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :

((جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صلَّی اللّٰہ علیہ و سلم فَقَالَ : اَلرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِلمَغنَمِ وَالرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِلذِّکرِ وَالرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِیُرٰی مَکَانُہٗ فَمَنْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ؟ قَالَ : مَنْ قَاتَلَ لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)) (۱۲)

”ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے دریافت کیا : ایک آدمی مال غنیمت کی نیت سے جنگ میں شریک ہوتا ہے، دوسرا آدمی اپنا نام پیدا کرنے کے لئے آتا ہے، تیسرا آدمی اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے کے لئے پہنچتا ہے، ان میں سے کون اللہ کی راہ میں شمار ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا : جو آدمی اس لئے لڑے کہ اللہ کے دین کا بول بالا ہو جائے بس وہی اللہ کے راستے میں شمار ہوگا۔“

پانچواں مغالطہ : ایک زمانے تک تو مرنے مارنے اور قتل کی ضرورت تھی، فی زمانہ اس کی ضرورت نہیں، بس دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تزکیہ ہی کافی ہے —— اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ایسی باتیں بعض نادان علماء سے منسوب ہو کر پہنچ رہی ہیں۔

وضاحت : یہ مغالطہ کس قدر بے بنیاد ہے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث سے ہو جاتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا :

---

(۱۲) صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا ح ۲۶۵۵ و صحیح مسلم کتاب الامارہ باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا ح ۱۹۰۴ و کتب السنن و دیگر کتب حدیث میں یہ روایت تھوڑے لفظی اختلاف و اضافے کے ساتھ موجود ہے، ملاحظہ ہو جامع الاصول ۵۸۱/۲ ح نمبر ۱۰۶۳

© rasailojaraid.com